Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

The Evolution of Urdu Short Stories in Baltistan

بلتستان میں اردو افسانے کا ارتقاء

1. محمد نذیر، پی ایچ۔ڈی اسکالر ، جامعہ کراچی

2. ڈاکٹر ذکیہ رانی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

1. **Muhammad Nazir,** Ph.D. Scholar, University of Karachi
2. **Dr. Zakia Rani,** Assistant Professor, Department of Urdu, University of Karachi

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Urdu short stories in Baltistan have come a long way since the 20th century. The first short story emerged in the 1970s, and since then, this literary journey has continued. Baltistani writers have not only preserved cultural and literary values in their stories but also addressed social, political, and literary issues. The short stories written in Baltistan reflect the traditions and changes of the past and present. Literary magazines, journals, and associations have played a significant role in promoting Urdu short stories in the region. Renowned writers are also focusing on publishing their short story collections. This article provides an overview of the literary works of Baltistani Urdu short story writers, which showcase the region's culture, traditions, and social landscape, as well as experimental techniques and styles.

Key words: Baltistan, culture, literature, style, Urdu short story, social landscape, contemporary issues, experimental techniques, Ladakh, Siachen, love for the homeland, Karakoram, Uyghur

پاکستان کے انتہائی شمال میں سلسلہ کوہ قراقرم اور کوہ ہمالیہ کے درمیان واقع خوبصورت خطہ بلتستان ایک سو آٹھ سال تک ڈوگرہ سامراج کے تسلط میں رہا۔ ڈوگرہ راج کے زمانے ہی میں بلتستان کی فضاؤں میں اردو زبان متعارف ہوئی گو کہ حکمرانوں میں اردو اور دیگر زبانوں کے بولنے والے بھی شامل تھے۔ اردو نے بلتستان میں "ہندوستانی" کے نام سے عوامی سطح پر مرکزیت حاصل کی۔ آہستہ آہستہ اردو کا یہ ابتدائی روپ مروّجہ فارسی کا نعم البدل ٹھہرا اور شعر وادب کی سرگرمیاں فارسی کی نسبت اردو میں فروغ پانے لگیں۔

بلتستان میں اردو نثر کی روایت تنوع اور جدت کا امتزاج لیے ہوئے ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں شعری روایت کے ساتھ ساتھ اردو نثر نے بھی اردو ادب کے میدان میں گھٹنیوں چلنا شروع کر دیا تھا، اردو نثر کی اولین تصنیف مولوی عبد الحق تبتی کی "تحفہ تبت من اہلسنت" 1925 میں منظر عام پر آئی۔ مولوی عبد الحق تبتی نے حصول علم کے لیے ہندوستان کا رُخ کیا اس سفر کی روداد، مشاہدے اور علمی و فکری افکار کو اپنی تصنیف میں پیش کیا ہے۔ اسی زمانے میں "فلاح المومنین اور دعوت صوفیہ نور بخش" جس کے مصنف حمزہ علی گپ گھور ہیں شائع ہوئی۔ انھوں نے شملہ اور مسوری کے قیام اوران ایام کے مشاہدات و تاثرات کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے مذکورہ تصانیف علمی و مذہبی نوعیت کی ہیں لیکن اس عہد کے سماجی و علمی منظر نامے کی جھلک بھی رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے انھیں اردو نثری روایت کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ بلتستان کے ادباء و شعراء نے اردو زبان وادب میں اپنے تخلیقی اظہار کو نت نئی جدتوں اور روایت کے ساتھ منسلک کر کے پیش کیا ہے۔ علمی و فکری موضوعات کے ساتھ اردو نثر کی افسانوی اور غیر افسانوی اصناف پر بھی طبع آزمائی کی ہے گو کہ نثری سرمایہ قلیل ہے لیکن اپنے اسالیب اور اظہار کے تنوع کے سبب اردو نثر کی روایت کے ارتقاء میں اپنا آپ منوائے ہوئے ہیں۔(1)

اردو زبان میں افسانہ بطور صنف بیسویں صدی کے آغاز میں متعارف ہوا یہ صنف اردو ادب میں مغربی اثرات کی بدولت وقوع پذیر ہوئی۔ افسانہ جیسے انگریزی میں Story Short کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی مختصر ترین کہانی ہے کہ جس میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں راشد الخیری، پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم کو افسانہ نگاری کی بنیاد نگاروں میں گنا جاتا ہے ان اولین افسانوں میں راشد الخیری کا افسانہ "نصیر و خدیجہ" پریم چند کا "دنیا کا انمول رتن" اسی طرح سجاد حیدر یلدرم کا "نشے کی پہلی ترنگ" بہت معروف ہوئے۔ جس طرح اردو کی جنم بھومی کے حوالے سے نظریات اور دلائل کی جنگ آج بھی جاری ہے اسی طرح افسانہ نگاری میں بھی اولیت کے ذیل میں بیسوں تحقیق مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق راشد الخیری کو اولین افسانہ نگار تسلیم کیا گیا ہے۔(2)

اردوادب کا دامن افسانے کے متنوع موضوعات اور تکنیکی تجربات سے مالا مال ہے۔ ہجر، وصل، ہجرت، انقلاب، بھوک، افلاس، طبقاتی کشمکش، معاشرتی جرائم، اخلاقی اقدار، سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل غرض زندگی کے ہر پہلو کو اردو افسانے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ علامہ راشد الخیری سے لے کر قراۃ العین حیدر تک افسانہ نویسوں کی کہکشاں ہے جو ادبی رجحانات، تحریکوں کے ساتھ ساتھ انسانی شعور کی تطہیر میں منہمک رہی۔ اردو افسانہ نگاروں نے افسانہ کی صنف کو بام عروج تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔(3)

بلتستان میں اردوافسانہ کا آغاز بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں ہوا۔اس روایت کے فروغ میں بلتستان سے شائع ہونے والے مجلات ورسائل کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے اوراردوادبی انجمنوں کی نشستوں نے بھی اس روایت کے فروغ میں اپنا کردارادا کیاہے۔بلتستان کے اولین افسانہ نویس غلام عباس ہیں ان کا افسانہ "عظیم انسان" مجلہ قراقرم۔گورنمنٹ کالج اسکردو میں 1970 میں شائع ہوا،غلام عباس اپنے منفرد اسلوب کے سبب اردوافسانہ نگاروں میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔(4)

غلام عباس کے افسانے میں مصنف نے دوستوں کی محبت،خلوص،لگن اور سچائی کو باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس افسانے یعنی عظیم انسان میں مصنف نے ناصر کے کردار کے ذریعے یہ ثابت کیاہے کہ ناصر کو اعجاز کے دکھ،فریب کے باوجود بھی ان سے ان انتہا کی محبت اور خلوص سے پیش آتے ہیں۔مصنف نے اس افسانے میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اج کل کے معاشرے میں بھی ناصر کی شکل میں عظیم اور درد دل اور بے دریغ قربانیاں پیش کرنے والے ہوتے ہیں۔جبکہ دوسری طرف اعجاز کی طرح سنگ دل،فریب اور دھوکہ باز والے بھی ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے ۔اقتباس ملاحظہ کریں۔

"ناصر اپنے دوست کی لاش سے لپٹ کر بُری طرح رورہا تھا۔سیما حیران تھی کہاعجاز کے نارواسلوک کے بجائے ناصر اس سے اتنی محبت کرتا ہے"(5)

بلتستان کے بیشتر افسانہ نگاروں کی تخلیقات رسائل وجرائد میں باقاعدگی سے اشاعت پذیر ہوتی رہتی ہیں البتہ کتابی صورت میں مرتب نہیں ہوسکی.

بلتستان کے افسانہ نگاروں کی فہرست میں غلام حسن حسنیؔ کا نام اہم ہے کیونکہ ان کا ایک شہکارافسانوی مجموعہ ”گیت بنے انگارے“ کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے۔

134 افسانوں اور 92 صفحات پر مبنی مجموعہ "گیت بنے انگارے ہیں" کے نام سے غلام حسن حسنی نے 2005ء میں زیور طبع سے آراستہ کیاہے۔یہ تمام افسانے بلتستان کے مختلف رسائل وجرائد میں وقتاًفوقتاً شائع ہوتے رہے بعد میں حسنی نے اسے کتابی شکل میں "گیت بنے انگارے کے نام سے شائع کیا ۔اس کتاب میں شامل افسانوں کے موضوعات یہ ہیں،ہمسائیہ،شب زدہ لمحے،بے نطق مسافر،گیت بنے انگارے،جانوروں کی تنظیم،کینہ پرور،زوال آگئی،جنازہ،علاج،پارٹنرشب،بیداری،دومزدور،کچھ پھول توکھلتے ہیں،میراایک کام کرو،سوچ میں فرق،بزدل،دکھاوے کا خلو،لمحے کا فیصلہ،بے چین روح،معصوم گواہی۔۔زیر نظر مجموعے میں شامل افسانے مصنف کے مشاہدات،احساسات،تجربات،خیالات اور بلتستان کی معاشرتی زندگی کا

خوب صورت آئینہ ہے۔ حسنی نے اپنے اس افسانوی مجموعے میں بلتستان کی تہذیبی و سماجی ناہمواریوں اور خرابیوں کو کہانی کی شکل میں پیش کر کے معاشرے کو اس کا آئینہ دکھایا ہے۔(6)

جھوٹ، دھوکہ اور فریب وغیرہ ایسی معاشرتی خرابیاں اور کوتاہیاں جو دیکھنے میں تو معمولی نوعیت کے ہوتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ بیشتر اوقات یہی معمولی کوتاہیاں بڑی تباہ کاریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔اس مجموعے میں شامل مختصر افسانہ "ہمسایہ" طبقاتی نظام کی خامیوں اور امیروں اور غریبوں کے طور طریقوں اور رہن سہن کے فرق کو نمایاں کرتا ہے۔(7)

حسنی کا ایک خوب صورت افسانچہ "خادم عوام" کے عنوان سے ہے اس افسانچے میں مصنف سیاست دانوں کی جانب سے عوام کو دی جانے والی دھوکہ ، فریب وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تک الیکشن کا دن نہیں آتا اس وقت یہ نمائندے عوام کے خادم بنے رہتے ہیں۔ لیکن جوں ہی اقتدار ان کے ہاتھ لگ جاتا ہے وہ عوام کو بھلا دیتے ہیں۔اسی طرح اس مجموعے میں ایک کہانی "گیت بنے انگارے" کے عنوان سے بھی ہے اور اس مجموعے کا نام بھی ہے۔ مصنف نے یہ کہانی محبت کرنے والے منقسم خاندانوں (کرگل، لداخ، بلتستان) کے جذبات اور احساسات کی عکاسی کرتی ہے۔ ان تینوں خطوں کا رہن سہن، زبان و بیان، طور طریقہ، انداز محفل وغیرہ مماثلت لیے ہوئے ہے۔ سرحد بندی کی وجہ سے یہ خطے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔اس حوالے سے کئی قصے اور کہانیاں مشہور ہیں ان میں سے ایک "گیت بنے انگارے" بھی ہے یہ کہانی بھی شاید اس واقعے سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہو گی جو کچھ یوں ہے:

"ٹیافشی کی ایک خاتون جس کا خاوند اس سے بچھڑ کر بلتستان میں مقیم تھا۔وہ شخص اپنی بیوی کی جدائی میں ہر وقت تڑپتا پھرتا تھا اور اسے موسیقی سے بڑی حد تک لگاؤ بھی تھا اور محبوب کی یاد میں وہ غزلیں اور لوک گیت گنگناتا رہتا اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارتا رہتا تھا۔رفتہ رفتہ اس کی خوبصورت آواز اور موسیقی کی وجہ سے وہ ریڈیو پاکستان سکردو سے منسلک ہو گیا۔ان کی آواز میں ریڈیو سے لوک گیت سننے کے بعد وہ خاتون اپنے خاوند کی جدائی برداشت نہ کر سکی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی اس کی لاش دریائے شیوک کی موجوں میں بہہ کر بلتستان کی حدود میں اس کے خاوند کے پاس جا پہنچی"۔(8)

اس مجموعے میں شامل اکثر کہانیاں بلتی کہانیوں کا ترجمہ اور مقامی یعنی بلتستان کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور سماجی قدغنوں کی بازگشت ہے۔ حسنی نے اپنے ایک اور مختصر افسانے "انا کی دیواریں" میں بلتستان میں شادی بیاہ کی رسموں اور روایات کے ساتھ سماجی رویے، نام نہاد غیرت اور دلہن کی بد قسمتی اور بدنصیبی کا احوال یوں بیان کیا ہے کہ:

"بارات واپس جاچکی تھی ادھر عروسی جوڑا نصیب دلہن ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ دلہا والے نے ادھر طیش میں تھے اور دلہن والوں کے گھر میں ادھر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ دونوں گھروں کا فاصلہ اتنا دور بھی نہیں تھا محلہ ایک تھا بس ایک چھوٹی سی ندی درمیان میں حائل تھی۔ جیسے آسانی کے ساتھ شلوار کے پونچے ذرا اوپر کر کے عبور کیا جا سکتا تھا۔ جھگڑے کی ابتدا بھی معمولی واقعے سے ہوئی تھی دولہا کا ماموں محض اس بات پر ناراض تھا کہ لڑکی والوں کی طرف سے اس کی ٹانگوں کے درمیاں جان بوجھ کر پٹاخے پھنکا گیا جس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ان کی بے عزتی ہوئی۔۔۔"(9)

گلگت کے معروف ادیب عنایت اللہ افسانوی مجموعہ ''گیت بنے انگارے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"گیت بنے انگارے" ہمارے معاشرے کا وہ شفاف آئینہ ہے جس میں ہم اپنی معاشرتی صورت دیکھ سکتے ہیں اور بڑے حادثوں کا پیش خیمہ بننے والی چھوٹی چھوٹی معاشرتی اور سماجی ناہمواریوں کو غلام حسن حسنی نے خوبصورت اور جامع انداز میں پیش کیا ہے یہ ان کے قلم کا اعجاز ہے۔'' (10)

گیت بنے انگارے میں شامل بیشتر کہانیاں معاشرے میں موجود برائیوں اور اس کے نقصانات کے حوالے سے ہیں۔ حسنیؔ نے اپنے زور قلم سے مختصر انداز میں مقصد کو بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حسنی کے حوالے سے گلگت کے معروف ادیب احسان شاہ رقمطراز ہیں کہ:

"غلام حسن حسنی سرزمین بلتستان کی ادبی فضا بندی میں میں ایک معتبر اور مستند حوالے کے طور پر پہچانے اور سراہے جاتے ہیں۔ حرف اور انسانیت سے محبت ان کے وجدان کا حصہ ہے۔ بلتی زبان و ادب اور علاقے میں قومی زبان اردو کی ترویج کے سلسلے میں ان کے بے شمار کارنامے ہیں۔ ان کی اردو اور بلتی شاری روایت کا حصہ ہونے کے باوجو نئی اور منفر احساس کی حامل ہے۔ غلام حسن حسنی بحر اب کے تمام اصناف سخن کے شناور ہیں۔"(11)

حسنی نے اپنے اس افسانوی مجموعے میں سماج کے مسائل کو خوب صورت پیرائے اور منفرد اور سادہ اسلوب میں بیان کیا ہے اور قارئین کو فکر و فہم کی نئی منزلوں سے واقف کرانے کی بھرپور کاوش کی ہے۔ ان کا یہ افسانوی مجموعہ ہمارے سماج کا آئینہ ہے۔ بلتستان کے اکثر افسانہ نویسوں کے افسانہ مختلف رسائل و جرائد میں چھپے ہیں لیکن ان کا الگ افسانوی مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے ان میں سے ایک اہم نام حسن حسرت صاحب کا بھی ہیں۔ آپ اپنے منفرد اسلوب کے سبب بلتستان کے افسانہ نگاروں نمایاں ہیں۔ ان کا ایک افسانہ "بلتستان کے شعراء و ادباء علی شیر خان انچنؒ کے دربار میں" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ حسرتؔ نے اپنے اس افسانے کے ذریعے بلتستان میں شعراء و ادباء کی حیثیت اور مقام و مرتبے کو نمایاں کرنے کی سعی کی ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے بلتستان کے تمام معروف شعراء و ادباء کو ایک خواب میں بلتستان کے فاتح علی شیر خان انچنؒ کے ساتھ ایک دربار میں پیش

کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اب بلتستان کے شعراء وادباء کی کوئی اہمیت نہیں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ بلتستان پورے پاکستان میں ادب بلتستان کے نام سے مقبول تھا لیکن اب یہاں پر بھی لوگ تعظیم و تکریم اور عزت و احترام قوم پرستی اور شخصیت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ باشاہ کے دربار میں انہی شعراء وادباء کو زیادہ عزت ملی جو بادشاہ کے چاہنے والے اور یہاں کے مقامی تھے۔ ادبی اعتبار سے اگر یکھا جائے تو ان کا کوئی معیار نہیں تھا۔ ان کی شاعری دوسرے شعراء سے کمتر ہونے کے باوجود بھی ان کو عزت زیادہ دی گئی۔ مصنف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بلتستان میں ادب کے بجائے ذاتی پراپرٹی کو ادباء نے ترجیح دی اور ہر شاعر و ادیب اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ و افضل دکھانے میں مصروف ہے۔ انھوں نے ایک خواب کے ذریعے بلتستان کے ادباء کو ایک تلخ حائق سے آگاہ کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

" اس شور وغا کے دوران پتہ چلا کہ دربار میں خاندان کا کوئی بھی وارث موجود نہیں لوگوں نے شکوہ کیا کہ آج ان کے ان ورثا میں نہ کوئی ادب پرور ہے نہ ادیب و شاعر۔ مجھے اس المیہ پر بڑا دکھ ہوا اس وقت دربار میں اچانک ایک بولا اٹھا اور اتنی تاریکی چھاگئی ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکے اسی ہو ہا کے عالم میں اس دربار کے شاعر و ادیب مختلف گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ نے دوسرے کو دوسرے نے تیسرے کو اس بولے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے طنز و تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کیا گویا ادب بلتستان پامال ہونے لگا آخر کار وہ آپس میں ایسے دست و گریباں ہوئے کی باتوں کے تیر و نیشتر سے ایک دوسرے کا استقبال کرنے لگے۔"(12)

حسرت نے ایک اور افسانہ "پرندوں کا متحدہ قومی اجلاس" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے خیالی طور پر بلتستان میں موجود تمام پرندوں کا ایک متحدہ قومی اجلاس کو اس افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ پرندوں کے بادشاہ ''شاہین'' اس اجلاس کی صدارت کر رہے ہوتے ہیں اور تمام پرندے بادشاہ کے دربار میں آکر ان پر انسانوں کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم کا ذکر کرتے ہیں۔ بادشاہ ان کی روداد سن کر تمام پرندوں کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ جب میں یعنی بادشاہ انسانوں کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں ہے تو تم لوگوں پر اس سے زیادہ ستم ہوتا ہوگا۔ اس لیے ہم آج سے آپس میں قومی، لسانی نفاق کو ختم کر کے آپس میں اتحاد و نفاق اور ایک ہو کر رہیں گے اور ہم متحد ہو کر ان سے لڑیں گے۔ مصنف اس کہانی کے ذریعے انسانوں کو پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب پرندے آپس میں ایک ہو کر حقوق اور اپنی بقاء کے لیے متحد ہو سکتے ہیں تو کیا ہم انسان ایک نہیں ہو سکتے۔ خدا نے اشرف المخلوقات بنا کر انسانوں کو دنیا میں بھیجا ہے اس کے باوجود ہم پرندوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتی ہیں۔ آئے دن دشمنی، نفرت، حق تلفی، عدل و انصاف کی پامالی اور عصمت دری کی وارداتیں انسانیت کے لیے باعث ننگ و عار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں پرندوں سے اتحاد، اتفاق اور بھائی چارگی کا درس حاصل کرنا چاہیے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہوں:

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

"ایک دفعہ بلتستان میں پرندوں کا ایک متحدہ قومی اجلاس ان کی بادشاہ شاہین کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں علاقے کے مختلف النوع پرندوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ اجلاس بلا تفریق ورنگ ونسل تمام پرندے مل کر آپس کی نزاع کو رفع دفع کرنے کے لیے اور بنی نوع انسان کے ظلم وستم کے خلاف شاہین کے حکم پر طلب کیا گیا تھا۔"(13)

حسرت کا تیسرا افسانہ "محبت کا رشتہ اور خود غرضی کا فریب" کے عنوان سے رسائل کی زینت بنی ہے۔ اس افسانے میں بلتستان کے غریب وبے بس اور لاچار طبقوں پر ہونے والے ظلم وبربریت کے حالات اور واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ مصنف نے ایک شخص کی زبانی خود پر ہونے والے ظلم وستم کو بیان کیا ہے بلتستان پر جب ڈوگرہ سرکار کی حکومت تھی تو ہر طرف سے غریب طبقہ ظلم کی چکی میں پیسے جا رہے تھے ہر وقت قتل وغارت گری اور مصائب والام میں لوگ گرے ہوئے تھے۔ ایک علی نامی شخص مصنف کو یہ ساری روداد سناتے ہوئے کہتے ہیں غیر تو غیر جب غربت آتی ہے تو اپنا بھی غیر بن جاتا ہے اس کہانی کی شروعات میں ڈوگرہ سامراج کی بلتستان پر حکومت کے ساتھ یہاں پر ڈھائے گئے ظلم وستم اور بلتستانیوں کی حالات کو پیش کیا ہے بطور نمونہ یہ اقتباس دیکھیں:

"جس زمانے میں بلتی یول (بلتستان) پر ڈوگرہ مہاراجہ کشمیر کی حکمرانی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہاں کے لوگ انتہائی مفلوک الحال تھے۔ صرف مال کے بدلے مال کی تجارت ہوئی اور نقد آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ڈوگرہ سرکار کی طرف سے زیر کاشت اراضی کے حساب سے نقد مالیہ، جنس مالیہ، کار بیگار اور روزینہ وغیرہ کی ادائیگی غریب عوام کے ناتواں کندھوں پر بڑا بوجھ تھا۔ اسی لیے معمولی سے کوتاہی یا مجبوری کے باعث عزتِ نفس کے پامال ہونے سے بچنا ہر انسان کے بس کی بات نہ تھی"۔(14)

پروفیسر حشمت کمال الہامی کا افسانہ "امن کی تلاش" ان کے اسلوب اور فنی شعور کا نمائندہ ہے۔ اس مختصر افسانچے میں حشمت کمال الہامی دنیا میں آئے روز ہونے والے دہشت گردی، فتنہ وفساد، قتل وغارت گری کی وجہ سے لوگ عدم تحفظ کا شکار ہوتا ہے اسے موضوع بناتے ہیں اور لوگ امن کی تلاش میں ہجرت کر کے آخر کار سرزمین بلتستان پہنچ جاتا ہے۔ لیکن وہ بلتستان جیسے پورے ملک میں امن کا گہوارہ کہا جاتا تھا اور امن کی سرزمین کے نام سے مقبول تھا لیکن دنیا میں رونما ہونے والی اس دہشت گردی کی وجہ سے یہاں بھی کوئی چیز محفوظ نہیں اور یہاں بھی قتل وغارت اور فتنہ وفساد کا شکار ہے۔ پوری دنیا میں ترقی جتنی تیزی سے ہو رہی ہے اتنا ہی معاشرے سے امن وسکون ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مصنف اپنی اس کہانی کے ذریعے لوگوں کو دوبارہ سے امن بحال کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ 2001ء میں امریکا کے وولڈ ٹریڈ سنٹر کی ناخوشگوار واقعے کے بعد افغانستان اور عراق کے حالات مکمل

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

بدل گئے اور سینکڑوں گھرانے اجڑ گئے جس کے بعض لوگ بیرون ملک کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور ہر جگہ غموں اور پریشانیوں نے ہر جگہ ڈیرہ ڈال دیا اور بنی نوع انسان امن کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے: اقتباس ملاحظہ ہو:

"امن کی تلاش اور سیاحت کے شوق میں وہ نانگا پربت اور راکا پوشی کے دامن کی طرف آتا ہے یہاں پہنچ کر وہ اور زیادہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے عین بہار میں خوشیوں کے عندلیپ اور بھروسوں کے خوش الحان پرندے چمن کو چھوڑ چکے ہیں ہر طرف منڈلاتے پھر رہے ہیں باغات غارت ہو چکے ہیں پھول مرجھا چکے ہیں اور سبزے سوکھ چکے ہیں کہیں کوئی رونق چہل پہل یا حسن و رعنائی نظر نہیں آتی ہر چہرہ سہما ہوا ہے ہر انسان خوفزدہ ہے ہر ملاقاتی غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ امن کا متلاشی مسافر حیران و پریشان ہے وہ دل ہی دل میں کہتا ہے یا اللہ یہ کیا ماجرہ ہے"۔(15)

پروفیسر کمال الہامی نے اس افسانے میں سرزمین بلتستان کو ملک کے دیگر شہروں کے مقابلے پر امن ثابت کیا ہے۔ غلام حسن لوبسانگ کا افسانہ بلتستان کی تہذیب و ثقافت کی رنگوں سے مزین ہے یہ افسانہ "پول سترونگ" رسالہ ''نگارشاتِ بلتستان میں شائع ہوا۔ افسانہ نگار نے بلتستان کی تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں کو اس افسانے میں واضح کیا ہے۔ اس کہانی کا موضوع بلتی زبان میں ہے جس کے معنی ہے معاشرے کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ زمانہ قدیم سے بلتستان کے ہر گاؤں میں ایک ''پول سترونگ'' مختص ہوتا تھا اور وہ گاؤں کی ہر چیز کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داریوں میں سے تھے۔ مصنف نے اس کہانی کے ذریعے سچ میں مشکلات در مشکلات اور جھوٹ میں آسانیاں دکھائی ہیں جو کہ معاشرے کے لیے ناسور ہے۔ یہ بات سچ ہے کامیابی ہزار مشکلات کے باوجود ہی سچ بولنے والے کی ہوتی ہے۔ جھوٹ بول کر کامیاب ہونے کی خوشی انتہائی محدود وقفے کے لیے ہوتی ہے لیکن سچ انسان کو ہمیشہ کے لیے سرخرو کرتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے کے ذریعے بلتستان کی تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے ان کا یہی انداز باقی افسانہ نویسوں سے الگ دکھائی دیتا ہے: اقتباس ملاحظہ ہوں:

"صبح سویرے بادصبا چلنے سے پہلے ہم دونوں اٹھ کر غار کے باہر چلے گئے تو حالات کو اکثر بدلا ہوا پایا، رات بھر کی برف باری سے پہاڑ اور چٹان سفید خول میں بند ہو چکی تھی فضا پرندوں سے خالی تھی غالباً وہ وادیوں کی طرف کوچ کر گئے تھے جھیل کا نیلا پانی بھی ساتھ سردی کی وجہ سے جم چکا تھا اور سطح پر برف جمی ہوئی تھی اگر کوئی اجنبی ادھر سے گزر جاتا تو اسے جھیل کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا ہمالیہ اور قراقرم میں اس طرح کی موسمی تبدیلیاں روز کا معمول ہیں۔"(16)

غلام حسن لوبسانگ کا یہ افسانہ "تہذیب و تمدن" بھی بلتستان کی تہذیبی آثار کی بازیافت ہے۔ افسانہ نویس اپنی کہانیوں میں خطہ بلتستان کی تہذیب و ثقافت کو موضوع بنا کر قارئین کو سماج سے متعلق سبق دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے افسانے میں قدر مقصدیت کا پہلو زیادہ

نظر آتا ہے اور وہ اپنی کہانیوں میں قارئین کو جو پیغام پہنچانا چاہتا ہے وہ اس میں کامیاب بھی ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مصنف نے اس کہانی میں دو ایسے کرداروں کو پیش کیا ہے جس میں ایک کو تعلیم یافتہ اور ذہین وفطین کے ذریعے اپنی تہذیب وثقافت کے مخالف دکھایا جبکہ دوسرا کردار ان پڑھ ہونے کے باوجود بھی اپنی ثقافت سے حد درجہ معلومات رکھنے کے علاوہ ثقافت کا شیدائی بھی ہے اور سینگے علی کو تہذیب وثقافت کے بارے میں سمجھا کر خطے اور اس کی ثقافت کا عاشق بنا دیتے ہیں۔ کوئی بھی خطہ اپنی تہذیب وثقافت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا ہے اس لیے اس افسانے میں اسی اہمیت کو ظاہر کر کے عوام وخواص کو یہ پیغام دینے کی سعی کی ہے تاکہ ہر بندہ اپنی دھرتی اور تہذیب وتمدن سے جڑے رہے۔ اقتباس دیکھیے:

"علوم جدید سے بہرہ ور سینگے علی، اپوسنگ سنگ کی فکر انگیز باتوں سے مرغوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا انہی باتوں کے زیر اثر اسے اپنی معلومات کمتر نظر آنے لگی۔ اسے اس بات کا احساس بھی نہ تھا کہ اس کی سوچوں کا رخ بدل گیا ہے یہ احساس اس وقت ہوا جب اس کے دانش بھری نگاہیں ایک برف پوش پہاڑ پر مرکوز ہوئیں، جو تصویری صورت میں کمرے کی بائیں جانب دیوار پر لٹکی ہوئی تھی اپوسنگ سنگ کی باتیں سننے سے قبل محض ایک تصویر تھی۔ توجہ سے کبھی دیکھا تک نہ تھا تبدیل شدہ فکر ونظر میں اب یہ تصویر نہیں بلکہ تہذیب وتمدن کا چشمہ تھا۔"(17)

مختصر افسانہ "گاؤں میں عید کی شام" کا مصنف عاشق حسین عاشق ہیں۔ ان کا ایک اور حوالہ شاعری بھی ہے۔ مصنف نے اس مختصر کہانی میں فتنہ وفساد اور بھوک وافلاس سے جنم لینے والے مسائل اور پریشانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے بیوہ بلقیس اور ان کے یتیم بچے عبد اللہ کی غریبی کو بیان کیا ہے۔ بلقیس کا میاں یعنی عبد اللہ کا باپ دہشت گردی کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ماں بیٹے کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور دونوں پہ فاقے کی نوبت آجاتی ہے تین وقت کا کھانا بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ بے رحم اور بے حس معاشرے کی وجہ سے اس طرح کی حالت رونما ہوتا ہے۔

دہشت گردی کی وجہ سے ہنستا مسکراتا گھر اجڑ جاتا ہے معاشرے سے امن تباہ، سکون اور خوشیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے افسانے میں یہی صورتحال عبد اللہ اور بلقیس کے ساتھ ہوتے ہوئے دکھایا ہے۔ افسانے نے سے اقتباس دیکھیے:

"مسجد علی میں جب دھماکہ ہونے سے ۵۰ سے زائد نمازی شہید ہوئے جوں ہی جوں اس خبر پر بلقیس کی نظر لگی اس کی لب پر صرف اور صرف ایک ہی دعا تھی یا اللہ میرے سلمان کو اپنے حفظ امان میں رکھ دے مگر ساتھ بلقیس کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ سلمان بھی دوسرے نمازیوں کے ساتھ دہشت گردی کا نذر ہوگیا۔ سلمان کے ہنستے کھلتے گھرانے پر غموں کے پہاڑ گر گئے۔ رجب علی کے بوڑھاپا کا واحد سہارا بھی دہشت گردی نے چھین لیا"۔(18)

اکیسویں صدی میں دنیا کو جہاں نت نئے علوم سے آگہی ملی ہیں وہی دہشت گردی اور اس سے جڑے دیگر عوامل نے تیسری دنیا کے ممالک کے سماج پر دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ عاشق حسین عاشق شاعری کے ساتھ ساتھ خوب صورت نثر بھی لکھنے کی سعی میں ہے۔ ان کا ایک اور افسانہ "انا" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ انھوں نے اس افسانے میں دو کرداروں کی مدد سے محبت کو موضوع بنایا ہے۔ جس میں سے ایک کردار کا تعلق گاؤں سے ہے اور وہ لڑکا ہے جبکہ دوسری لڑکی ہے اس کا تعلق شہر سے ہے۔ مصنف نے اس افسانے میں گاؤں کے لوگوں کی مزاج ضد، انانیت اور احساس کمتری کا ذکر کے ان کی خامیوں کو ظاہر کیا ہے کہ گاؤں والوں کی یہی ضد اور انا کی وجہ سے نہ صرف قتل وغارت گری ہوتی ہے بلکہ رشتے بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی محبت حاصل کرنے میں بھی محروم رہ جاتا ہے۔

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن

پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے

انھوں نے اپنے اس افسانے میں گاؤں کے پسماندہ معاشرے کے لڑکوں کی ضد اور انا کو موضوع بنایا ہے اور یہی انا ہر ایک کو مار دیتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو"

"میں اسے جانتا تھا۔ میری اور اس جان پہچان بہت پرانی اور اس وقت سے تھی جب سفر اور اس کی تکلیفوں سے نہ وہ آشنا تھی نہ میں، زندگی کی تلخ حقیقتوں کو نہ وہ سمجھ سکی تھی نہ مجھ کو ان کا ادراک تھا"۔(19)

مختصر افسانہ "مٹی کی محبت" کا خالق بلتستان کے نوجوان شاعر و نثر نگار غلام رسول تمناؔ صاحب ہیں۔ بلتی اور اردو زبان کے مشہور شاعر غلام رسول تمنا کی تحریر ہیں۔ اس افسانے کا موضوع حب الوطنی ہے۔ یہ کہانی پاک بھارت کے بلند و بالا محاذ سیاچن کے گرد گھومتی ہے۔ تمنا صاحب نے اس مختصر افسانے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ملکی دفاع اور وطن عزیز پاکستان کے تحفظ کے لیے ہمیں ہر وقت دشمن کے عزائم اور حرکات و سکنات پر نظر رکھنا ہو گا۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

" ناردن لائٹ ان فنٹری (NLI) کے شیر دل نوجوان سیاچن کے برفانی چوٹیوں پر سینہ سپرُ ہو چکے تھے۔ آج شمشیر بے حد خوش تھا مٹی کی محبت میں اس نے برفانی چوٹی پر تلوار رقص کیا اور ان پر حال طاری ہو گیا یوں سر مستی کے عالم میں وہ ہزاروں فٹ بلندی سے برفانی وادی میں اتر گیا کیونکہ آخری شکار کو قابو کر لیا تھا۔" (20)

بلتستان میں اردو افسانے کا آغاز تاخیر سے ہوا پچھلے سو برسوں میں ڈوگرہ راج کے زیرِ اثر یہ خطہ ہندوستان اور پاکستان کی کشمکش سے نبرد آزما رہا 1948 میں پاکستانی ہو گیا لہذا ب اعتبارِ صنف بلتستان میں اردو افسانہ پاکستان کا زمینی حوالہ رکھتا ہے۔ جب کہ اس خطے سے جڑا ہوا سنکیانگ جہاں ایغور زبان پرانے ترکی رسم خط میں لکھی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس خطے سے ملحقہ تمام خطے اپنے تشخص پر نازاں ہیں۔ یہ خطہ ادب کے خاصے مراحل طے کر چکا ہے امید ہے کہ آنے والے کل میں یہاں بھی منٹو، بیدی، عصمت اور قراۃ العین حیدر جیسے افسانہ نگار پیدا ہوں گے یقیناً آج کے جملہ افسانہ نگار ادبا مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کی نثری تخلیقات با اعتبار موضوع اور فن اپنی مثال آپ ہیں۔

حواشی

(1) غلام حسن حسنو، تاریخ بلتستان جلد سوم، (خپلو د: کاروان ادب، ۲۰۰۳ء)، ص ۸۶

(2) ڈاکٹر عظمیٰ سلیم، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۵

(3) رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱)، ص ۱۲۸

(4) مشمولہ قراقرم، شمارہ دوم، سوم، 1970 تا 1973

(5) مشمولہ قراقرم، شمارہ دوم، سوم، 1970، ص 40

(6) حسنی، غلام حسن، گیت بنے انگارے، (گلگت: ساراہنی پبلیشنگ، نیٹ ورک، ۲۰۰۵ء)

(7) ایضا، ص 21

(8) ایضا، ص 66

(9) ایضا، ص 21

(10) ایضا، ص 5

(11) ایضا، ص 6

(12) مشمولہ، نگارشات بلتستان، نگارش، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۹۱

(13) مشمولہ "انڈس" ماہنامہ فروری، ۲۰۱۴ء، ص ۲۰

(14) مشمولہ "انڈس" ماہنامہ ستمبر، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰

(15) مشمولہ، نگارشات بلتستان، (سکردو، بلتستان دائرہ نگارش، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۷۸

(16) ، مشمولہ، نگارشات بلتستان، (سکردو، بلتستان دائرہ نگارش، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۹۹

(17) محمد ابراہیم زائر، مرتب، ارض بلتستان، (اسکردو، ابراہیم زائر، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۵۱

(18) مشمولہ انڈس، ماہنامہ ستمبر، 2011، ص، 22

(19) مشمولہ انڈس، ماہنامہ، نومبر، 2012، ص 34

(20) مشمولہ، انڈس، ماہنامہ اگست، 2013, ص 40

ماخذ:

1۔ حسرت، حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (بلتستان بک ڈپو سکردو، 2007)

2۔ خادم حسین نوری، ادب بلتستان (راولپنڈی، شاہد ان پریس 2016)

3۔ ڈاکٹر عظمی سلیم، مترجم، بلتستان تاریخ کے آئینے میں (سودے بک پبلیشرز، سکردو، 2009)

4۔ ڈاکٹر عظمی سلیم، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 2008)

5۔ سید عالم، کشور گلگت بلتستان، (ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی، 2011

6۔ شمالی علاقہ جات پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، جلد اول (اسلام آباد، لوک ورثہ)

7۔ غلام حسن حسنو، تاریخ بلتستان، (ہارون بکس، خپلو، 2023)

8۔ محمد نذیر، بلتستان ادب و ثقافت، (سکردو، یونیک کمپیوٹر سنٹر۔ 1998)

9۔ یوسف حسین آبادی، تاریخ بلتستان، (سکردو، بلتستان بک ڈپو، نیا بازار، 2003)